ہمارے معاشرے میں برادری کی ضرورت

(از محمد تقی بی۔ اے)

زمانہ قدیم سے جب کہ انسان اتنا مہذب اور متمدن نہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ انسانوں میں کچھ خاص گروہوں میں رہنے کی خواہش رہی ہے۔ چنانچہ جب انسان جنگلوں میں رہتے تھے پتوں سے اپنی پوشش کرتے تھے اور جنگلی پھل کھا کر جیتے تھے۔ اس وقت بھی وہ کچھ قبیلوں کی شکل میں رہتے تھے ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔ جو قبیلہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اور ہر وقت اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ دوسرے قبیلوں کے لوگ یا جنگلی جانور اس کے قبیلے کے افراد کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچائیں اور اس کے قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلوں سے زیادہ خوشحال اور فارغ البال رہیں۔ اور وہ قبیلے کے لوگوں کے آپس کے تنازعات کا فیصلہ کرتا تھا کیونکہ جب دو انسانوں میں کچھ اختلافات ہوں اور آپس میں جھگڑا ہو تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی تیسرے اور غیر جانب دار انسان سے رجوع کریں۔ جو بتا سکے کون غلطی پر ہے اور کون صحیح ہے یا کس کی کتنی غلطی ہے۔ اور وہ انسان ایسا ہو جس کی بات وہ دونوں فریقین مانیں۔ جن کے مابین کوئی تنازعہ ہو اس لئے سردار کی ضرورت پیش آئی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ انسانوں نے بھی ترقی کی۔ اور جنگلوں سے گاؤں اور پھر شہروں میں آباد ہو گئے اور قبیلہ کی شکل برادری نے لے لی۔

ویسے تو بنی نوع انسان پوری ایک برادری ہے اور یہ برادری مذاہب کی بناء پر کچھ قوموں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان میں ایک مسلم قوم بھی ہے۔ مسلمان چاہے افریقہ کا ہو یا ملایا کا سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں لیکن مسلمان بھی دنیا کے مختلف ممالک میں آباد ہیں مسلمان ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو ان ملکوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جیسے ہم پاکستانی ہیں۔ اگر ہم اپنی نظر ذرا اور تنگ کریں تو اپنے آپ کو کراچوی کہیں گے۔ کراچی شہر میں بھی نسلی اعتبار سے بہت سی قومیں آباد ہیں۔ اور ان کی اپنی معاشرتی تنظیمیں ہیں اسی طرح ہماری قوم عطاران وحکیمان ہے جس کا دائرۂ عمل پورے پاکستان میں ہے اور اس کا مرکز کراچی میں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو حکیم یا عطار کہنے کی بجائے صرف پاکستانی کیوں نہ کہیں۔ اور پاکستانی کہنے کی بجائے صرف مسلمان کیوں نہ کہیں اور مسلمان کہنے کی بجائے صرف دنیا کا باشندہ اور بنی نوع انسان کا ایک فرد کیوں نہ کہیں۔ عربوں میں یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی شخص کا نام لیتے ہیں تو اس کے ساتھ اس کے والد کا بھی نام لیتے ہیں۔ اور اگر انہی ناموں کے پسر اور پدر کچھ اور لوگ ہوں گے تو پھر وہ اس کے دادا کا نام بھی ساتھ لیں گے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہے گا حتیٰ کہ وہ شخص دوسرے لوگوں سے .... ممیز ہو جائے اور نام لیتے ہی ظاہر ہو جائے کہ ان کی مراد ایک خاص فلاں شخص سے ہے اسی طرح لوگوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے وہ مختلف نسلوں اور خاندانوں کی نسبت سے پکارے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہم نے متفرق قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ وہ پہچانے جا سکیں۔

زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ برادری کی عملی افادیت کیا ہے ایک ملک کی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خوشحالی کے لئے کوشاں ہو عوام میں تعلیم پھیلائے۔ ان کی معاشی حالت درست کرنے میں ممد و معاون ہو کرے مگر وہ اس مقصد میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس

ملک کی رعایا اپنی حالت خود سدھارنے کی کوشش نہ کرے اور اس میں ہم آہنگی اور ارتباطِ عمل نہ ہو۔ کسی ملک کی حکومت ملک کا انتظام و انصرام نہیں کر سکتی۔ جب تک وہ ملک مختلف صوبوں یا حصوں میں نہ بٹا ہوا ہو۔ اور ہر حصہ یا صوبہ کا انتظام کرنے کے لئے ایک علیحدہ ماتحت حکومت نہ ہو۔ صوبوں کی حکومتیں بھی بغیر کسی مزید تقسیم کے اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔ جب تک صوبے یا حصے مختلف شہروں میں نہ بٹے ہوئے ہوں حکومت کا کام چلانا بہت ہی دشوار بلکہ ایک حد تک ناممکن ہے۔ اب ہم اپنی نظر صرف شہر تک ہی محدود کر کے دیکھیں کہ اس میں جتنی بھی معاشرتی تنظیمیں اور برادریاں ہیں اگر وہ اپنے افراد برادری کی معاشی اور معاشرتی بہبودی کے لئے کچھ کام کرتی ہیں تو ان کا یہ عمل حکومت کے لئے بھی اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ ان کے افرادِ برادری کے لئے۔ اس لئے کہ اس طرح وہ حکومت کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ مثلاً اگر وہ یہ کوشش کرتی ہیں کہ ان کی برادری میں تعلیم کا چرچا ہو اور کوئی شخص جاہل اور بے روزگار نہ رہے تو اس طرح حکومت کا کافی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ جس تنظیم میں بھی افراد کی تعداد جتنی کم ہو گی ان میں اتنی ہی یگانگت اور اتحاد ہو گا اور ان کا انتظام اتنا ہی سہل اور اچھا ہو گا۔

اس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے کا محتاج ہے اور اسے دوسرے لوگوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی فرد بھی دوسروں سے بالکل الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ اور دوسروں سے مدد حاصل کرنے کے لئے ان سے واقفیت اور مراسم ہونے بہت ضروری ہیں۔ اس واقفیت اور تعلقات کے لئے برادری سے اچھی کوئی چیز نہیں۔ اگر ہم ایک اجنبی سے ملیں تو اس سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کافی عرصہ درکار ہے لیکن برادری کے افراد تو ایک دوسرے کو پہلے سے ہی جانتے ہیں اس لئے ان کو یہ دقتیں پیش نہیں آتیں۔

بھیڑوں کے گلّے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جدھر ایک جاتی ہے دوسری بھی اس کے پیچھے گردن ڈالے چلی جاتی ہیں گویا کہ انھیں اعتماد ہوتا ہے کہ جو ان میں سے آگے ہے وہ جدھر جا رہی ہے ٹھیک جا رہی ہے۔ اس لئے ان کو کسی قسم کی جستجو کی ضرورت نہیں۔ ہم اس بھیڑ چال کو چاہے جتنا برا سمجھیں مگر وہ اسی میں اپنا فائدہ سمجھتی ہیں اس سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ لیڈر یا قائد کے پیچھے چلنے کا مادہ جانوروں میں بھی موجود ہے۔

ہر ایک برادری میں کچھ سر برآوردہ افراد ہوتے ہیں جو اپنی برادری کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔ اور ہر وقت اس کی ترقی اور بہبودی کے لئے کوشاں رہتے ہیں برادری کے دوسرے افراد بھی جن کو اپنے قائدین پر اعتماد ہوتا ہے ان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں لیکن اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے وہ اپنے افرادِ قومی کو اپنی کارکردگی سے باخبر رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان سے مشورے بھی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور افرادِ قومی کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے قائدین سے ان کی کارکردگی کا جواز طلب کریں۔ اور اگر وہ ان سے کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ تو اس پر صحت مند اور تعمیری تنقید بھی کریں۔ اس طرح اگر قائدین غلطی پر ہیں تو وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں۔ اور اگر افرادِ قومی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو اس کا ازالہ ہو جاتا ہے اس طرح لوگوں کو آپس میں مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے نظریات سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ انسان ایک معاشرتی جانور ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کا ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا کتنا ضروری ہے۔

برادری کی افادیت کا احساس لوگوں کو شادی اور غمی کے موقع پر ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص کو اپنے بیٹے یا بیٹی کا رشتہ کرنا ہوتا ہے تو اسے زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ برادری کے قوانین اور رسم و رواج کے مطابق اسے یہ رشتہ صرف برادری میں ہی کرنا ہے۔ اور اس کو زیادہ چھان بین بھی نہیں کرنی پڑتی اس لئے کہ جن لوگوں سے رشتہ ہو رہا ہے وہ اس کے اپنے ہی عزیز ہیں۔ مثلاً اگر کسی غیر جگہ رشتہ کرنا ہو تو حسب و نسب اور

اور دیگر باتیں معلوم کرنا بہت ہی دشوار کام ہے۔ اور خصوصاً کراچی جیسے شہر میں جہاں کہ وہ مثل صادق آتی ہے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ کوئی یوپی کا ہے تو کوئی سی پی کا کوئی دہلی کا ہے تو کوئی پنجابی۔ کوئی بنگالی ہے تو کوئی بلوچی۔ غرضیکہ مختلف النوع لوگ آباد ہیں۔ یہاں تو یہ کام اور بھی مشکل ہے۔ اگر کوئی ذرا تزک و شان دکھا کر کہدے کہ میں تو نجیب الطرفین ہوں اور نوابوں کے خاندان سے ہوں تو بہ یک بینی و دوگوش کہنا پڑتا ہے، "دریں چہ شک"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسی طرح غمی کے موقع پر بھی برادری کے افراد ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس سے بارِ غم ہلکا ہو جاتا ہے۔

ہماری برادری میں ان مواقع پر زمانہ قدیم سے کچھ ایسی رسومات چلی آرہی ہیں جنہیں آج کل کے ترقی پسند لوگ کتنا ہی فرسودہ کیوں نہ کہیں۔ مگر ان کی معاشی اور معاشرتی افادیت سے کسی نہج انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ہمارے بزرگ جو دورِ جدید کے معاشی اور معاشرتی علوم سے بالکل بے بہرہ تھے کس طرح ان رسوم کو جاری کر گئے۔ مثلاً یہ رسم کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو اسے مایوں بٹھایا جاتا ہے۔ عزیز و اقارب کو مدعو کیا جاتا ہے اور اُبٹنا ملتے وقت سب لوگ کچھ روپے اس کو دیتے ہیں اور جب لڑکے کو دولہا بنایا جاتا ہے تو اس وقت سب عزیز رشتہ کی قربت کے لحاظ سے اسے کچھ روپیہ دیتے ہیں جسے سہرے کے روپے کہتے ہیں اسی طرح جو لوگ لڑکی والوں کے یہاں مدعو کئے جاتے ہیں وہ بھی کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔ اس طرح دولہا اور دلہن کے والدین شادی کے موقع پر جتنا خرچ کرتے ہیں وہ کسی حد تک پورا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ دوسروں کے یہاں مدعو کئے جاتے ہیں تو وہ بھی دیتے ہیں اس طرح برادری کے افراد میں معاشی تعاون قائم رہتا ہے۔ غمی کے مواقع پر بھی اس قسم کا لین دین ہوتا ہے اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو اسی دن یا کچھ روز تک اس کے گھر والے کچھ نہیں پکاتے۔ بلکہ کسی قریبی عزیز کے یہاں سے کھانا پک کر آتا ہے جسے حاضری کہتے ہیں۔ اس طرح جو لوگ غمی میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ اسے ان کے لئے کچھ نہیں پکانا پڑتا اور سب شرکت بھی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ایسی بہت سی رسومات ہیں۔

ہماری برادری میں دو چودھری صاحبان اسی کام کے لئے مقرر ہیں۔ کہ وہ افراد قومی کی شادی اور غمی میں شرکت کریں۔ دولہا کے گھر سے بارات اُس وقت تک روانہ نہیں ہوتی جب تک کہ چودھری صاحب موجود نہ ہوں۔ اس طرح سے احساس تنظیم قائم رہتا ہے۔ دولہا کے سر پر سہرا بھی چودھری صاحب باندھتے ہیں جس سے اس کی وقعت دوبالا ہو جاتی ہے۔ یہ چودھری صاحبان قومی کیبنٹ کی تشکیل کردہ قضایا کمیٹی کے بھی ممبر ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی قوم میں زن و شو اور دیگر قسم کے تنازعات کا فیصلہ کرتی ہے اس طرح معمولی معمولی قضیئے بڑے بڑے مقدموں کی مہیب شکل اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ قومی نظام کے ماتحت ہی فیصل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح قومی افراد عدالتی اخراجات اور متعلقہ پریشانیوں سے بھی بچ جاتے ہیں اور تنازعات نہایت ہی خوش گوار طریقے سے فیصل ہو جاتے ہیں۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں انسان نے مادی طور پر کافی ترقی حاصل کر لی۔ اور اس کی تکنیکی صلاحیتیں کافی بڑھ گئیں۔ اور مادی وسائل پر انسان کو کافی عبور حاصل ہو گیا۔ لیکن انسان کی معاشرتی تنظیم کی صلاحیتوں نے اس تناسب سے ترقی نہیں کی جتنی کہ مادی وسائل نے۔ اس لئے طبقاتی اور علاقہ جاتی کشمکش نے سر اٹھایا۔ جس قوم یا طبقہ کے مادی وسائل زیادہ تھے اسی نے اپنی طاقت کے بل پر دوسری قوم یا طبقہ کو دبانا چاہا جس کا نتیجہ دو عالمگیر جنگوں کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ اقوام عالم اپنے مادی وسائل کو تعمیری کاموں میں صرف کرتیں۔ ابتدائی طور پر جن لوگوں کو اپنے خارجی وسائل کی وجہ سے معاشرے میں برتری حاصل تھی انھوں نے کمزور لوگوں کو دبانا چاہا۔ جس کا نتیجہ انقلاب روس اسپین کی خانہ جنگی اور اٹلی اور جرمنی میں فسطائیت کی شکل میں رونما ہوا۔

ان ہی طبقاتی اختلافات کو دور کرنے کے لئے ہماری قوم کی طرف سے نادار بچوں کو تعلیم کے لئے وظائف دیئے جاتے ہیں اور کتابیں بھی دی جاتی ہیں۔ تاکہ ان طلبا کو یہ احساس نہ ہو کہ محض مالی مشکلات کی وجہ سے وہ تعلیم نہ پا سکے۔ یا ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔

Easy PDF

اور مالدار حضرات کے بچے تعلیم حاصل کر کے زندگی میں اعلیٰ مقام حاصل کریں گے۔

ہماری قوم کی طرف سے زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کو جمع کر کے اس کو قومی کاموں پر لگایا جاتا ہے۔ اب ہماری قوم کے افراد نے اجتماعی طور پر شمالی ناظم آباد میں قطعات زمین خریدے ہیں ہر سال عیدالفطر کے دوسرے روز قوم کی طرف سے بزم ادب کا اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں ادبی اور تفریحی پروگرام ہوتے ہیں جس سے قوم کے افراد اور نونہالوں میں ادبی ذوق پیدا ہوتا ہے۔ عید بھی مل لیتے ہیں اور ان کو آداب خورد و نوش بھی آجاتے ہیں۔

فی زمانہ لوگوں کا مزاج کاروباری ہوتا جا رہا ہے یعنی جب تک کسی فوری نفع کی امید نہ ہو وہ ذرا سی تکلیف کرنا حتیٰ کہ کسی سے ملنا تک گوارا نہیں کرتے۔ اور قومی کاموں میں دلچسپی لینے کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ قوم میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی مادی اور معاشی برتری کی وجہ سے اپنے نادار بھائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور ان سے ملنا اور بات کرنا اپنے لئے کسر شان سمجھتے ہیں حالانکہ ان کو انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے یہ سمجھ کر کہ وہ بھی ان کے بھائی ہیں۔ اور محض انسانی قدروں کی بنا پر ان کی عزت کرنی چاہئے کیونکہ

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ اپنے نادار بھائیوں کو افتادہ سمجھتے ہیں تو وہ بھی ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ یہ نفرت استوار ہوتی جا رہی ہے۔ اور ڈر ہے کہ برادری چند خاص خاندانوں تک ہی نہ محدود ہو کر رہ جائے۔ یا وہ چند خاندان اپنے آپ کو اس برادری کا فرد محسوس کرتے ہوئے شرم محسوس کریں یہاں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ سب کچھ مادیت کی افراط اور روحانیت کی تفریط کی وجہ سے ہے۔ اس باہم مل بیٹھنے کی قدر وہ لوگ زیادہ جانتے ہیں جو اس سے محروم ہیں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں یہ برادری سسٹم واہیات ہے۔ ہمیں صرف پاکستانی ہونا چاہیئے۔ میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ جب آپ اس چھوٹی سطح پر اپنی برادری کی خدمت نہیں کر سکتے تو آپ ایک شہری کی حیثیت سے اپنے شہر والوں کی کیسے خدمت کر سکتے ہیں اور ملک کی کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ عالم اسلام کی کیسے خدمت کر سکتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری برادری کی تنظیم سے تو ہماری حب الوطنی کو اور زیادہ تقویت پہنچتی ہے جس طرح پاکستانی فوج مختلف حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جیسے پانچویں پنجاب رجمنٹ، فرنٹیر رائفلز۔ تاکہ فوجی آسانی سے سنبھالے جا سکیں۔ اور ان میں ترقی کرنے کا ایک صحت مند مقابلہ ہے فوج کی ہر ایک بٹالین چاہیگی کہ وہ دوسرے پر سبقت لے جائے۔ اسی طرح اگر ملک کی مختلف برادریوں میں ترقی کرنے کے لئے صحت مند مقابلہ ہو تو اس سے اجتماعی طور پر ملک کی خوشحالی بڑھے گی ان حضرات کا کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پانچویں پنجاب رجمنٹ کا فوجی سپاہی یہ کہے کہ میں تو صرف پاکستانی فوجی ہوں میں۔ پانچویں پنجاب رجمنٹ اور فرنٹیر رائفلز کو نہیں مانتا۔ اگر ہم ایک رسی لیں اور اسے زور سے توڑنے کی کوشش کریں تو وہ آسانی سے ٹوٹ جائے گی اور اگر اس میں مختلف جگہوں پر گرہیں لگا دیں تو وہ اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹے گی جتنی کہ پہلے ٹوٹی تھی۔ معاشرے میں برادری کی نوعیت بھی بس ایک گرہ کی سی ہے۔

فرد قایم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ
(اقبال)